خالد حسین

پی ایچ ڈی، سکالر (اردو)

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر ارشد محمود آصف

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

جدیدیت کے تناظر میں اسد محمد خان کے افسانوں کا فکری و فنی مطالعہ

Abstract:

Asad Muhammad Khan's fiction explores modernity through symbolism, abstraction, and mythology, navigating tensions between tradition and innovation in contemporary Pakistani culture. His use of symbolism and abstraction challenges readers to question their assumptions, while his incorporation of mythological themes adds depth to his exploration of modernity, revealing contradictions and paradoxes of modern existence.

This study examines Asad Muhammad Khan's literary style and themes, situating his works within the broader context of modernist literature. It reveals how his fictions reflect and refract the complexities of modernity, offering a profound and thought-provoking exploration that challenges readers to rethink their assumptions about the world and their place within it.

Key Word: Asad Muhammad Khan's, fiction, symbolism, abstraction, mythology, modernity

۱۹۶۰ء کی دہائی نے جہاں ادب کا روایتی انداز تبدیل کرتے ہوئے جدیدیت کے فروغ کا بیڑا اٹھایا، وہیں دوسری اصنافِ ادب کی طرح اُردو افسانے میں بھی روایتی انداز سے ہٹ کر اسلوب اور تیکنیک کی سطح پر نئے تجربات ہوئے۔ اُردو افسانے کو روایتی کہانی پن سے نجات دلاتے ہوئے علامتی اور تجریدی انداز عطا ہوا۔ جس سے حقائق کو دیکھنے کا نیا مفہوم وضع ہوا۔ حقیقت کے معنی بدل گئے۔ حقائق نے اظہار کے مختلف انداز اپنائے۔ افسانوں نگاروں نے جدیدیت کی اس کارفرمائی کو خوش آمدید کہتے ہوئے فنی اور اسلوبیاتی سطح پر اُردو افسانے کو نیا ڈھنگ عطا

کیا۔ ان افسانہ نگاروں میں جو نام سر فہرست ہیں ان میں انور سجاد، بلراج مین را، سریندر پرکاش اور ڈاکٹر رشید امجد معتبر حوالے کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اور اگر اس روایت کو ہم موجودہ دور تک لے کر آئیں تو جو سب سے قد آور شخصیت ہمارے سامنے آتی ہے وہ اسد محمد خان کا نام ہے۔

اسد محمد خان 60ء کی دہائی کے بعد بلکہ 1980ء کی دہائی میں اُردو ادب کے منظر نامے پر جلوہ گر ہوئے۔ بحیثیت شاعر، گیت نگار، ڈرامہ نگار اور خاکہ نگار اسد محمد خان نے بہت نام کمایا لیکن ان مختلف جہات میں سے اُردو افسانہ نگاری میں ان کا کام جدیدیت کے فکری و فنی عناصر کا بہ بانگ دہل فروغ ہے۔ وہ اسلوبیاتی اور فنی سطح پر اردو افسانے کو نئے مفاہیم عطا کرتے ہوئے اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ اسد محمد خان اپنی ادبی زندگی اور خاص طور پر اپنی افسانہ نگاری کے بارے میں وہ خود لکھتے ہیں۔

> "خود میں اور میرے ساتھ ایک پٹا ہوا آدمی۔۔۔۔۔ وہ کہیں کا بھی ہو، کسی سے بھٹکتا ہوا میری طرف آیا ہو۔۔۔۔۔۔۔ میری لکھت کا محور ہے۔"1

اسد محمد خان نے پہلا افسانہ "باسودے کی مریم" 1971ء میں لکھا جو احمد ندیم قاسمی کے مشہور ادبی رسالے فنون میں شائع ہوا۔ یہاں سے ان کی افسانہ نگاری کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے۔ اسد محمد خان کی افسانہ نگاری کے متعلق انوار احمد لکھتے ہیں۔

> "اسد محمد خان ایسے افسانہ نگار ہیں جن کے پاس تنوع زندگی کا گہرا تجربہ، فطرت انسانی کا شعور اور اظہار کی بے پناہ صلاحیت کے ساتھ ساتھ تاریخ، تخیل اور معاصر زندگی سے لپٹی ہوئی پیچیدہ حقیقت کو بیان کرنے کے لیے نئے نئے فنی وسائل اور تکنیک تلاش کرنے میں اس کا ثانی کوئی نہیں ہے۔"2

اسد محمد خان کے افسانوی مجموعوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کھڑکی بھر آسمان 1982ء

۲۔ برج خموشاں 1990ء ابن حسن پریس کراچی

۳۔ غصے کی نئی فصل 1997ء مطبع پریس کراچی

۴۔ نربدا اور دوسری کہانیاں 2003ء سٹی پریس بک شاپ کراچی

۵۔ تیسرے پہر کی کہانیاں 2006ء اکادمی ادبیات کراچی

۶۔ اک ٹکڑا دھوپ کا اور دوسری کہانیاں 2010ء القاء پبلی کیشنز لاہور

ماہنامہ چہار سو میں اسد محمد خان لکھتے ہیں۔

"میرے پاس سنانے کو بہت دلچسپ قصے ہیں۔ بہت دلآویز کردار ہیں جن سے میں اپنے پڑھنے والوں کا تعارف کرانا چاہتا ہوں۔ بات کہنے کے بہت سے پیرائے، بہت سے ڈھنگ میں نے سیکھ لیے ہیں جن کا کوئی (Attractive Package) بنا کر اپنے پڑھنے والوں کو لبھا سکتا ہوں۔"3

اب ہم جدیدیت کے تناظر میں اسد محمد خان کے افسانوں کا فکری و فنی مطالعہ کرتے ہیں۔ لیکن سب سے پہلے ہم جدیدیت کا مفہوم، تعریف اور اس کے فکری و فنی پہلوؤں کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جدیدیت کا مفہوم

جدیدیت کے مفاہیم و معنی کا تعین کسی خاص تعریف کے تحت نہیں کیا جا سکتا۔ ہر دور میں ہر نقاد اور ادیب نے جدیدیت کے معنی اپنے فکری شعور اور تنقیدی میلان کے مطابق وضع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جدیدیت بنیادی طور پر ایک فکری میلان ہے فلسفیانہ بنیادوں پر جدیدیت کو ایک تحریک کی صورت میں کبھی اور کسی دور میں بھی قبول نہیں کیا گیا۔ جدیدیت ایک ثقافتی اور فنکارانہ رجحان کا نام ہے جو ہر عہد میں عصری میلانات، عصری شعور اور غالب رجحان کی شکل میں ادیبوں، نقادوں اور مصوروں کے فکری پہلو پر اپنے اثرات مرتب کرتا رہا ہے۔ اس کی خصوصیت روایتی اقدار، ان کی پابندیوں کو مسترد کرنے، اظہار کی نئی شکلوں کے ساتھ دلچسپی، انفرادیت اور شعور پر مرتکز ہے۔ چنانچہ جدیدیت کی تعریف کسی خاص پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے متعین نہیں کی جا سکتی۔ ڈاکٹر ندیم احمد جدیدیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"جدیدیت ایک ایسے رجحان کا نام ہے جو ذہنی آزادی کو فوقیت بخشتا ہے انسانی تجربات کی جس میں بڑی اہمیت ہے۔ زبان کے اس جوہر پر جس کا اصرار ہے جو ہمیشہ تخلیق کو ایک خاص حسن بخشتا ہے۔ ایک طرح رومانی بغاوت بھی جس کے پسِ پشت کام کرتی ہے۔"4

اب ہم جدیدیت کے تناظر میں اسد محمد خان کے افسانوں کا مطالعہ کرتے ہیں کہ انہوں نے اساطیری انداز میں کس طرح قدیم افسانوی کہانیاں، علامتیں اور آثار اپنے افسانوں میں استعمال کئے ہیں جو جدید معاشرے اور ثقافت کو متاثر کرتے ہیں۔ اور کس طرح اسد محمد خان نے افسانوں اور علامتوں کو عصری ثقافتی اور سماجی سیاق و

اسباق کے مطابق ڈھال کر متاثر کیا ہے۔ مثال کے طور پر انہوں نے قدیم داستانوں کو عصری ترتیبات میں دوبارہ بیان کیا ہے اور اسی طرح ماحولیات جنس اور شناخت جیسے عصری مسائل کو دریافت کرنے کے لیے استعمال کیا ہے کیوں کہ ان داستانوں میں پائے جانے والی بہت سی علامتیں اور کردار اب بھی ہماری سماجی اور ثقافتی زندگی میں موجود ہیں اور یہی علامتیں اور کردار بہادری، محبت اور قوت جیسی چیزوں کے بارے میں ہمارے سوچنے کے انداز کو تشکیل دیتے ہیں چنانچہ ان کے افسانوں کے مطالعہ سے ہم ان نکات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں ہماری غریب عوام کے ساتھ مقتدر طبقہ کیسا رویہ رکھتا ہے اور ہم ایک دوسرے کے ساتھ کیسے تعلقات رکھتے ہیں۔ قاری کے ذہن میں بار بار یہ سوالات جنم لیتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے اور ان مسائل کا حل کیا ہے۔

علامتیت اور تجریدیت

علامتیت جدیدیت میں ایک مرکزی تصور ہے جسے تخلیق کار انسانی تجربے کی پیچیدگیوں کو تلاش کرنے اور حقیقت کی نوعیت کے بارے میں اپنے خیالات کے اظہار کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ علامتوں اور استعاروں کے استعمال کے ذریعے جدیدیت کی علامت نے نمائندگی کے روایتی طریقوں کو رد کیا اور فنی اور ادبی اظہار کے لیے نئی راہیں کھولیں۔ علامتی اور تجریدی افسانے کا آغاز 60ء کی دہائی میں ہوا۔ اس کی کئی وجوہات اور محرکات ہیں خاص طور پر سیاسی و سماجی تبدیلیوں نے جہاں معاشرے میں پرانی روش کو ترک کرنے کی راہ ہموار کی وہیں اُردو افسانے میں روایتی بیانیہ اور رومانوی چلن سے انحراف کرتے ہوئے تجریدیت اور علامت نگاری کا رجحان منظر عام پر آیا۔ علامتی افسانہ پہلے بھی لکھا جا رہا تھا لیکن سیاسی انتشار نے علامتوں کو خاص معنی عطا کئے۔ جدید افسانے میں افسانہ نگار ان علامتوں کا ایک نظام مرتب کرتا ہے اور ان علامتوں کے ذریعے اپنے ارد گرد کے ماحول، معاشرے اور ملک کے سیاسی، سماجی اور معاشرتی مسائل کو بیان کرنے کی سعی کرتا ہے۔ تجریدیت عمومی مزاج رکھتی ہے۔ تخصیص اس کا نمایاں پہلو نہیں ہے کیوں کہ جب کسی چیز کی تخصیص کر دی جاتی ہے تو وہ عام نہیں رہتی۔ یہی حال تجریدیت کا ہے۔ نثار احمد ڈار اپنے مضمون "تجریدیت اور اُردو افسانہ" میں تجریدیت کا مفہوم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

> "تجریدیت عمومیت کی طرف مائل ہوتی ہے۔ تخصیص اس کا مزاج نہیں جیسے ہی تجرید تخصیص کی طرف جھکتی ہے۔ کنکریٹ بن جاتی ہے۔ اور افسانے میں برتنے پر یہ اصطلاح کچھ اور شکل اختیار کر لیتی ہے۔ دراصل تجریدی کہانیوں میں واقعات کو حقیقی شکل میں پیش نہیں کیا جاتا بلکہ ان کی وہ صورت پیش کی جاتی ہے جو فنکار کے لاشعور سے ابھرتی ہے۔ یہاں واقعات، موضوع یا کردار زیادہ

اہمیت نہیں رکھتے بلکہ وہ تاثر یا ردعمل زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے جو متعلقہ واقعات اور کیفیات کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ تجریدی افسانے کا ایک خاص تاثر تلازمہ ءخیال اور شعور کی رو کی تیکنیک سے ملتا ہے۔"5

اسد محمد خان کے افسانوں میں بھی علامتیت اور تجریدیت کا پہلو خاص طور پر نمایاں ہے۔ انہوں نے حالات اور ماحول کے مطابق علامتیں تراشی ہیں اگرچہ انہوں نے روایتی کہانی بھی لکھی لیکن جب ہم جدیدیت کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو انہوں نے اپنے افسانوں میں علامت اور تجرید کے جو تجربات کئے ہیں ان میں ایک اچھوتا پن ہے جو قاری کو مفہوم و معنی کی نئی راہوں پر لے جاتا ہے۔ اس کی مثال ان کا افسانہ "ترلوچن" ہے جس میں مختلف جانوروں خاص طور پر زخمی بلی کو علامت بنا کر معاشرتی مسائل کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ افسانے سے اقتباس دیکھیے۔

"ایک دن گلی سے گزرتے ہوئے اُس نے اچانک اُس بلی کو دیکھا اور اُسے فہرست بنانے کا خیال آ گیا۔ وہ بلی اس قدر زخمی، اتنی میلی اور جگہ جگہ سے اتنی نچی کھچی تھی کہ ساری باتیں کاغذ پر لکھے بغیر یاد نہیں رکھی جا سکتی تھیں۔ اُس نے سوچا فہرست بنانا اچھا رہے گا وہ اب تک چیزوں کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھتا آ رہا تھا لیکن چیزیں اتنی بہت سی ہو گئی تھیں اور برابر بڑھتی جا رہی تھیں اور ان کی تفصیل اتنی طولانی ہوتی جا رہی تھی کہ اب ذہن میں محفوظ رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔"6

افسانہ ترلوچن ایک علامتی افسانہ ہے اس میں بہت سی علامتوں کا نظام ہے جن سے اسد محمد خان نے ہمارے معاشرتی و تہذیبی مسائل کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ یہاں بلی ہماری مٹتی ہوئی تہذیب اور مٹتے بگڑتے معاشرے کی علامت کے طور پر سامنے آتی ہے۔ ہماری تہذیب مغربی تہذیب کی آویزش سے اس قدر مقدر ہو چکی ہے کہ اس کو پہچاننا مشکل ہو گیا ہے۔ ہماری تہذیبی روایات مکمل طور پر بھی کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ کسی حد تک تبدیل ہو چکی ہیں یا اس قدر زخمی ہو چکی ہیں کہ آخری سانس لے رہی ہیں۔ اس لیے افسانے میں موجود کردار عین الحق نے بلی اور اس کے کوائف تو درج کر لیے ہیں لیکن عملدرآمد کا خانہ خالی چھوڑ دیا ہے یعنی ہم اپنی تہذیبی و تمدنی روایات کو بچانے کے لیے قانون اور لائحہ عمل تو بنا لیتے ہیں لیکن ان پر عملدرآمد کرنا بھول جاتے ہیں یا پھر ہم اس پر کوئی عملی کاروائی نہیں کرتے۔ یہ بحیثیت مجموعی ہمارا المیہ ہے۔ افسانے سے یہ اقتباس دیکھیے۔

"تواس نے سب سے پہلے نمبر شمار پر ایک بلی کو درج کیا اور اس کے کوائف لکھے اور کارہائے مجوزہ میں درج کیا کہ اسے نئی کھال کی ضرورت ہے اور تاریخ عملدر آمد کا خانہ خالی چھوڑ دیا۔"7

افسانہ تصویر سے نکلا ہوا آدمی بھی علامتی افسانہ ہے جس میں چیتا طاقت کی علامت ہے جو ایک لڑکی سر سوتی نے اپنے وجود میں پال رکھا ہے اس چیتے کا سہارا لے کر وہ اکیلی جنگل اور پہاڑوں میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ تنہائی اور بے بسی کی حالت میں یہ اس کے اندر بیٹھا ہوا چیتا ہی اسے زندگی کرنے کی طاقت عطا کرتا ہے اور وہ حالات و مصائب سے لڑ رہی ہے۔ چیتا ویسے بھی طاقت و ہمت کا استعارہ ہے لیکن اس افسانے میں اکیلی لڑکی کے لیے بچاو اور حفاظتی دیوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ راوی اور اس کا دوست خوف میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بجائے اپنے سفر کی تھکان اتارنے کے لیے چائے کا انتظار کرتے اپنا سامان اٹھا کر وہاں سے نکل جانے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ زندہ رہے تو ایک نہیں ہزار پیالیاں مل جائیں گی۔افسانے سے اقتباس دیکھیے۔

میں نے کہا،" مداخلت کی معافی چاہتے ہیں۔ دھویں کی خوشبو ہمیں کھینچ لائی تھی۔ اگر ایک ایک پیالی —اب جو وہ بولی تو ایک متواضع میزبان تھی۔"جی ضرور ملے گی۔اتفاق سے آپ صحیح جگہ آئے ہیں چائے بنانا مجھے پسند ہے۔۔۔۔بس دو منٹ ٹھہرئے۔ میں اپنا چیتا باندھ آوں"

ہم دونوں نے صاف سنا،اس نے چیتا کہا تھا۔

دوست نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔" چیتا؟ میڈم !آپ نے لفظ چیتا کہا ہے؟"

وہ ہنسی۔"جی۔پالتو چیتا ہے مادہ ہے، میں اسے کوئین اوف شیبا، کہتی ہوں۔8

افسانے سے ایک اور اقتباس دیکھیے:

کوئین ایسے موسم میں بے چین ہو جاتی ہے۔ میں پاس بیٹھ کر تسلی دیتی ہوں۔اس نے ہاتھ میں اٹھایا نیپکن میز پر ڈال دیا۔" معافی چاہتی ہوں۔ وہ مجھے تلاش کر رہی ہے۔۔۔۔۔ کوئین۔۔۔۔ بہت بے چین ہے"اور چیتے والی چل پڑی۔9

اسد محمد خان کے علامتی افسانوں میں علامت ان کے کردار کے اندر سے پھوٹتی ہے ان کے افسانوں کی سچائی قاری کو شدت سے متاثر کرتی ہے ان کے طنز میں بھی گھلاوٹ کا احساس ہوتا ہے انہوں نے علامتوں کا سہارا لے کر مختلف طبقوں، پیشوں اور شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی نمائندگی کی ہے جن میں جراح، گھریلو عورتیں،

ہنر مند، مصور، شاعر، درویش، اللہ لوک، موسیقار، جاگیر دار، کلرک، سرکس میں کام کرنے والے شرابی، شودر اور برہمن وغیرہ جیسے لوگ شامل ہیں۔

اساطیریت

اساطیر کو انگریزی زبان میں متھ کہا جاتا ہے۔ کوئی بھی فن پارہ خواہ وہ کسی زبان کا شاہکار ہوا گروہ ذہنی، سماجی وثقافتی سطح پر پڑھنے والے کو پرانے وقتوں یا گئے زمانوں کی تصاویر دکھادے اور قاری یوں سمجھے کہ وہ فن پارے کا مطالعہ نہیں کر رہا بلکہ پرانے کسی بادشاہ کے محل میں ہونے والے ریشہ دیوانیوں اور اقتدار کے حصول کی کشمکش کا اپنی آنکھون سے نظارہ کر رہا ہے تو وہ فن پارہ اساطیری فن پارہ کہلانے کا حقدار ہے۔ کیوں کہ قاری ان گزرے ہوئے واقعات سے موجودہ سیاسی وسماجی مسائل کی تطبیق کر کے مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس کوشش میں وہ کس حد تک کامیاب ہوتا ہے یہ ابلاغ کی دوسری صورت ہے۔ تاریخ کے اسباق کو عصری مسائل پر لاگو کر کے قاری ان کے حل اور نئے زاویے تلاش کرتا ہے۔ وہ اس کوشش میں جس حد تک کامیاب ہوتے ہیں وہ افسانوی کہانی سنانے کی طاقت اور وقت اور ثقافتوں سے بالاتر ہونے کی صلاحیت کا ثبوت ہے، جس سے نسل در نسل مواصلات اور تفہیم کی سہولت ہوتی ہے۔

اساطیریت کی تعریف مختلف کتابوں میں مختلف انداز میں ملتی ہے لیکن مولوی فیروزالدین "فیرورز اللغات، اردو جامع" میں ان الفاظ میں اساطیریت کی تعریف کرتے ہیں۔

> " اساطیر، اسطارہ اور اسطورہ کی جمع ۔قصے کہانیاں۔ اساطیر الاولین۔ اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں۔"10

پروفیسر انور جمال "ادبی اصطلاحات" میں اساطیر کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> " قدیم افسانوی قصوں اور دیوی دیوتاوں سے متعلق آثار کو اساطیر، دیو مالا یا علم الاصنام کہتے ہیں۔"11

اسد محمد خان کے افسانے "شہر کوفے کا ایک آدمی" میں اسطوریت کا رنگ واضح انداز میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ افسانہ کربلا کے دردناک منظر کو نمایاں کرتا ہے۔ کہانی اس تاریخی سانحے کو موجودہ حالات سے جوڑتی ہے، جہاں لوگ اپنے ارد گرد رونما ہونے والے واقعات پر اپنی خواہشات اور وجود کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کہانی جدید معاشرے

پر تنقید کرتی ہے، جہاں لوگ بڑے سانحات کے باوجود مفلوج اور دوسروں کے مسائل سے لاتعلق رہتے ہیں۔ جدید ٹیکنالوجی نے لوگوں کو ان کے ماحول اور مسائل سے بے خبر کر دیا ہے جس کی وجہ سے وہ تنہائی اور منقطع ہونے کا احساس پیدا کر رہے ہیں۔اس کہانی میں افسانوں کا استعمال مصیبت کے وقت ہمدردی اور عمل کی اہمیت کی یاد دہانی کا کام کرتا ہے۔افسانے کا عنوان ہی ایک مذہبی و روحانی واقعے اور حادثے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

> ایک ایسے آدمی کا تصور کیجئے، جس نے کوفے سے امام کو خط لکھا ہو کہ میرے ماں باپ فدا ہوں،آپ دارالحکومت میں ورود فرمائیے، حق کا ساتھ دینے والے آپ کے ساتھ ہیں اور وہ آدمی اپنے وجود کی پوری سچائی کے ساتھ اس بات پر ایمان بھی رکھتا ہو، مگر خط لکھنے کے بعد گھر جا کر سو گیا ہو۔
>
> جیم الف ایسا ہی ایک آدمی ہے (بلکہ شاید یہ وہی آدمی ہے) جسے مسلم بن عقیل کے واقعے کی خبر ملی ہو تو اس نے زانو پیٹ لیے، گریباں چاک کیا۔ بہت دیر تک روتا رہا۔۔۔ پھر اس نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور سو گیا۔12

اس اقتباس کو پڑھ کر واقعہ کربلا کا دردناک منظر نظروں کے سامنے گھوم جاتا ہے تاریخ کے اس کربناک حادثے کو اسد محمد خان نے موجودہ حالات سے اس طرح جوڑا ہے کہ موجودہ انسان صرف اپنی خواہشات اور اپنے وجود کو ہی اہمیت دیتا ہے۔اس کے ارد گرد کیا کیا حادثات و واقعات رونما ہو رہے ہیں اس سے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ہاں وقتی طور پر غم کی کیفیت طاری ہوتی ہے لیکن جلد ہی وہ سب کچھ بھول کر اپنی دنیا میں مگن ہو جاتا ہے۔یعنی کربلا میں پیش آنے والا یہ عظیم سانحہ بھی انسان کی اندرونی کیفیات کو صرف وقتی طور پر تبدیل کر سکا ہے لیکن عملی طور پر وہ مفلوج ہے بڑے سے بڑا سانحہ بھی اسے میدان عمل کا سپاہی نہیں بنا سکتا۔آج بھی جب ہم دیکھتے ہیں کہ پڑوسی کے دکھ درد کا احساس تک نہیں وہ اپنی مستی میں مگن ہے اور اس کے غم واندوہ کا اگر کہیں اظہار ہے بھی تو وہ بس علامتی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ یہ جدید دور کے انسان کا المیہ ہے کہ وہ معاشرے میں بالکل تنہا ہو گیا ہے جدید ٹیکنالوجی نے اسے اپنے ارد گرد کے ماحول اور مسائل سے بے خبر کر دیا ہے۔

داخلیت کا سفر

داخلیت جدیدیت کی دین ہے یا جدید معاشرے میں اپنی پریشانیوں اور درپیش مسائل سے تنگ آکر داخلیت کی طرف جھکتا ہے اس کی تنہائی اسے اپنے اندر ایک دنیا آباد کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ جہاں وہ دنیاوی

الجھنوں سے بے نیاز ہو کر اپنے من کی گھتیاں سلجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ اسد محمد خان کے افسانے چاکر کا کردار فضل علی بھی داخلیت کے سفر پر نکلتا ہے اور اپنے ہم عمروں سے الگ ہو کر سلوک کی منزلیں طے کرتا جاتا ہے۔ افسانے "چاکر" سے اقتباس دیکھیے:

" بیبے نے فضل علی کو اس حال میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سیدھا سادہ خاموش طبیعت جوان، پورا بچپن جس کے ساتھ کھیل کُود میں بسر کیا، لڑکپن دریا کنارے دوڑیں لگاتے، پہاڑی ٹیلوں پر چڑھتے اُترتے گزرا آج اتنی گہری باتیں کر رہا ہے۔ خدا مست لوگوں کی کچھ دن کی صحبت نے اس پر یہ کیسا جادو کر دیا ہے کہ سیانوں کی طرح اپنے اور دوسروں اندر اُتر کر گھتیاں سلجھانے لگا ہے۔ کیا مسلسل فاقوں نے اور دن رات کی جان توڑ محنت نے اس میں چھپی ہوئی کوئی قوت بیدار کر دی ہے جو یہ دلوں میں جھانکنے لگا، خیالوں کو پڑھنے لگا، پڑھانے لگا۔"13

مذہبی لبادہ اوڑھ کر معاشرے کی ہمدردیاں حاصل کرنے والے کرداروں میں افسانہ عون محمد وکیل، بے بے اور کاکا، کے کردار بہت اہمیت کے حامل ہیں اور مذہبی آڑ میں اپنی دشمنیاں نکالنے کا انداز جو موجودہ دور کی سب سے خطرناک روش ہے اس کی جھلک درجہ ذیل اقتباس میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

ہوا یہ تھا کہ کاکے نے محلے کے پیش امام کی جلتی ہوئی لالٹین پہ غلیل میں پتھر رکھ کر مار دیا تھا۔ تو حجرے میں آگ پھیل گئی تھی جس سے پیش امام کی نئی واسکٹ، ایک پیلا سفید رومال اور کچھ برکتوں والے کاغذ ضائع ہو گئے تھے جن پر رحمتوں والا پاک کلام چھپا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے لوگ بے حرمتی کا پرچہ کٹوانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔14

اس کے برعکس افسانے میں پیش امام کا کردار بھی ایسا ہے جو نیکی کے پردے میں بری نیت لے کر نیک کام کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ بظاہر اس کے ارادے نیک معلوم ہوتے ہیں لیکن اندرونی منافقت اور ہوس پرستی اور شیطان کا غلبہ ہے پیش امام موجودہ دور کے مذہبی اکابرین درست تصویر پیش کرتا ہے جو اپنی خواہشات کو ترجیح دیتے ہیں اور مذہب اور دین کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ انسان اگرچہ کمزور پیدا ہوا ہے لیکن اس قدر کمزور بھی نہیں کہ وہ اپنے نفس کو بے لگام گھوڑے کی طرح چھوڑ دے اور قابو نہ کر سکے۔

لسانی تجربات

اسد محمد خان کے افسانوں میں لسانی تجربات کی بات کی جائے تو ان کے زیادہ تر افسانوں میں کردار کے مطابق زبان کا استعمال ہوا ہے یعنی اگر افسانے کا کردار کا تعلق کسی شاہی محل یا شاہی خاندان سے ہے تو اس کی زبان محلات میں بولی جانے والی زبان ہے اور الفاظ کا چناؤ اور لہجے کی ادائیگی کا انداز وہی محلات کی رہداریوں میں بولی جانے والی زبان ہے اور اگر کسی کردار کا تعلق نچلے طبقے سے ہے تو کردار کے ساتھ زبان بھی وہی استعمال کی گئی ہے۔ اور ساتھ دوسری زبانوں کے الفاظ بھی اردو میں استعمال کئے گئے ہیں یہی لسانی تجربات زبانوں کو ترقی دیتے ہیں۔ اسد محمد خان نے دوسری زبانوں کے الفاظ کا استعمال کھلے دل سے کیا ہے مثلاً تمنچہ لفظ پشتو زبان میں پستول کے لیے استعمال ہوتا ہے اسد محمد خان نے اس لفظ کو اردو میں انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے۔

اسد محمد خان کے افسانوں میں یوں تو کہانی اپنے روایتی انداز میں آگے بڑھتی دکھائی دیتی ہے لیکن حقیقت کے بیان کرنے میں وہ اسلوب اور اظہار کے نئے نئے تجربات کرتے ہیں۔ یہی تخلیقی شور، اظہار اور اسلوب کے تجربات انہیں ہم عصر افسانہ نگاروں سے ممتاز مقام عطا کرتے ہیں اور جدیدیت کے حامی یا جدت پسند افسانہ نگاروں کی صف شامل کرتے ہیں۔ ان حقائق کے پیشِ نظر جب ہم ان کے افسانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اظہار اور اسلوب کے تجربات جن افسانوں میں کئے گئے ہیں ان کی ایک لمبی قطار ہے مثال کے طور پر نربدا، داستان سرائے، ہٹلر شیر کا بچہ، ایک سنجیدہ ڈی ٹیکٹیو اسٹوری، ایک میٹھے دن کا انت، شہر مرد گاں ۔ ایک کومپوزیشن، ایک بلیک کومیڈی۔۔۔۔۔۔ وغیرہ۔ جب ہم ان افسانوں کا عمیق مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معاشرے کے مندرجہ ذیل مسائل کے متعلق سوالات ملتے ہیں۔

پامال ہوتی ہوئی اخلاقی و معاشرتی قدریں جن کے سبب انتشار بڑھ رہا ہے۔ غریبوں، مفلسوں کی حق تلفی اور ان کے ساتھ ہونے والی سماجی و سیاسی ناانصافیاں ٹوٹتا ہوا خاندانی نظام اور بکھرتی ہوئی سماجی قدریں کہ آنے والی نسل وہ رکھ رکھاؤ بالکل بھول رہی ہے۔ وحشت، خوف و ہراس کا ماحول اور اس کے بنتے بگڑتے خدوخال جس کے سبب نفرتیں، بغاوتیں اور تنہائیاں جنم لے رہی ہیں۔

اسد محمد خان علامتی، اسطوری اور تجریدی انداز اپناتے ہوئے ان سماجی مسائل کی ترجمانی کی ہے اور جدید دور کے انسان کو درپیش درہم برہم زندگی اور افراتفری والا اور طبقاتی کشمکش کا آئینہ دار ماحول اور اس کے نتیجے میں جنم لینے والے تنہائی کے احساس کو موضوع بنایا ہے۔ ایک دوسری بات جو بہت اہم ہے کہ اسد محمد خان خواہ روایتی

اندازمین کہانی لکھیں یا جدیدیت کے تحت علامتی و تجریدی انداز اپنائیں ان کے اندر کا پٹھان اور پشتون روایات کی عکاسی ہمیشہ اجاگر ہوتی دکھائی دیتی ہے اور یہ جھلک ان کے افسانوں میں استعمال ہونے والے پشتو زبان کے الفاظ ہیں۔اسی طرح اسطوریت کی بات کریں تو انہوں نے صرف شیر شاہ سوری پر آٹھ کہانیاں لکھی ہیں جن میں شیر شاہ سور کا کردار یا اس کے دور حکومت میں ہونے والے واقعات کو موجودہ دور کے مسائل سے جوڑ کر معنی اخذ کئے ہیں۔ یہ اسد محمد خان کی فنی چابکدستی ہے کہ وہ کہانی کو مربوط انداز میں موجودہ دور کے انسانوں کے مسائل کو اجاگر کرنے کے لیے آگے بڑھاتے ہیں۔ کہانی کار یا افسانہ نگار کا مقصد قوم کی اصلاح نہیں ہوتا بلکہ کہانی سنانا ہوتا ہے اور اس کہانی میں ان مسائل کو نشان زد کرنا ہوتا ہے جو قاری کو اپنے مسائل یا اپنے دور کے مسائل محسوس ہوں، یہی احساس قاری کو معنی اخذ کرنے پر اکساتا ہے اور جب قاری مواد سے معنی اخذ کر لیتا ہے تو افسانہ نگار کی محنت وصول ہو جاتی ہے۔یہی کام اسد محمد خان نے بطریق احسن کیا ہے۔

مجموعی جائزہ:

اسد محمد خان کے افسانے جدیدیت کی ایک دلکش تحقیق پیش کرتے ہیں، جو عصری معاشرے کی پیچیدگیوں کو علامت نگاری، تجرید اور افسانہ نگاری کی عینک سے دیکھتے ہیں۔ ان ادبی آلات کو استعمال کرتے ہوئے، اسد محمد خان کی تخلیقات روایت اور اختراع کے درمیان تناؤ کو دور کرتی ہیں، جو جدید پاکستانی ثقافت کی پیچیدہ حرکیات کو ظاہر کرتی ہیں۔ان کی تحریروں کے قریبی تجزیہ کے ذریعے، یہ مطالعہ ان طریقوں سے پردہ اٹھاتا ہے جن میں اسد محمد خان کی علامت اور تجرید کا استعمال قارئین کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ اپنے ارد گرد کی دنیا کے بارے میں ان کے مفروضوں پر سوال کریں۔

اسد محمد خان کے افسانوی موضوعات ان کی جدیدیت کی کھوج میں گہرائی کی ایک اور پرت کا اضافہ کرتا ہے، قارئین کو ان طریقوں پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہے جن میں قدیم کہانیاں اور افسانے دنیا کے بارے میں ہماری سمجھ کو تشکیل دیتے ہیں۔ ان لازوال داستانوں کو عصری زندگی کی حقیقتوں کے ساتھ جوڑ کر اسد محمد خان کے افسانے جدید وجود کے تضادات اور انحرافات کو بے نقاب کرتے ہیں۔ یہ مطالعہ اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ کس طرح اسد محمد خان افسانہ نگاری کا استعمال غالب ثقافتی بیانیہ کو تقویت دینے اور اسے ختم کرنے کے لیے کام کرتا ہے، جو جدید پاکستانی معاشرے کی ایک اہم تنقید پیش کرتا ہے۔

اسد محمد خان کے ادبی اسلوب اور ان کے موضوعات کی فکری کھوج کے تکنیکی تجزیہ کے ذریعے، یہ مطالعہ ان طریقوں کو ظاہر کرتا ہے جن میں ان کے افسانے جدیدیت کی پیچیدگیوں کی عکاسی اور انحراف کرتے ہیں۔ اسد محمد خان کے کاموں کو جدید ادب کے وسیع تناظر میں رکھ کر، یہ تحقیق ان اختراعی طریقوں پر روشنی ڈالتی ہے جن میں وہ عصری تجربے کے جوہر کو حاصل کرنے کے لیے علامتیت، تجرید اور افسانہ نگاری کا استعمال کرتے ہیں۔ بالآخر، یہ مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ کس طرح اسد محمد خان کے افسانے جدیدیت کی ایک گہری اور فکر انگیز تحقیق پیش کرتے ہیں، جو قارئین کو چیلنج کرتا ہے کہ وہ دنیا کے بارے میں اپنے مفروضوں اور اس کے اندر اپنے مقام پر نظر ثانی کریں۔

حوالہ جات

۱۔ یادیں، گزری صدی کے دوست، اسد محمد خان، صفحہ نمبر 111-112

۲۔ سہ ماہی آئندہ، کراچی جلد 9 شمارہ نمبر 35-36 اکتوبر تا دسمبر 2004ء

۳۔ ماہنا چہار سو راولپنڈی، شمارہ نمبر 17، صفحہ نمبر 6، جنوری، فروری 2008ء

۴۔ ندیم احمد، ڈاکٹر، ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اُردو بازار دہلی،

۵۔ نثار احمد ڈار، تجریدیت اور اُردو افسانہ، مشمولہ اُردو ریسرچ جرنل۔

۶۔ افسانہ ترلوچن، مجموعہ برج خموشاں، صفحہ نمبر 111

۷۔ ایضاً، صفحہ نمبر 112

۸۔ تیسرے پہر کی کہانیاں۔ القا پبلیکیشنز لاہور۔ 2015ء صفحہ نمبر 32

۹۔ ایضا

۱۰۔ مولوی فیروز الدین "فیروز اللغات، اردو جامع

۱۱۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، 2012ء صفحہ نمبر 16

۱۲۔ افسانہ شہر کوفے کا ایک آدمی، برج خموشاں، صفحہ نمبر 130

۱۳۔ افسانہ چاکر برج خموشاں، صفحہ نمبر 64

۱۴۔ تیسرے پہر کی کہانیاں، القا پبلیکیشنز، لاہور 2015ء، صفحہ نمبر 64

1 Yadain, Guzri sadi ky dost, Asad Muhammad khan, p-111-112
2 Sah mahi Aainda, Karachi, jild 9 issue no 35-36 October-December 2004
3 Mahnama Chahaar soo Rawalpindi,issue No 17, p-6, January-February 2008
4 Nadeem Ahmad, Dr. Taraqi pasandi, jadeediat, mabad jadeediat, maktaba e jamia limited, urdu bazar Dehli
5 Nisar Ahmad Dar, tajreediat or urdu afsana, mashmoola urdu research journal
6 Afsana tarlochan, majmooa, Burj Khamoshan, p-111
7 Idb do, p-112
8 Teesray pehar ki kahanian, alkaa publikashans, Lahore, 2015, p-32
9 Idb do, p-32
10 Molvi Feroz ud din, Feroz ul lughat jamay
11 Anwar Jamal, Professor, Adbi estalahat, National Book Foundation, Islamabad, 2012, p-16
12 Afsana shehar koofay ka aik admi, Burj Khamoshan, p-130
13 Afsana chakar, Burj Khamoshan, p-64
14 Teesray pehar ki kahanian, alkaa publikashans, Lahore, 2015, p-64

کتابیات

۱۔ یادیں، گزری صدی کے دوست، اسد محمد خان

۲۔ سہ ماہی آئندہ، کراچی جلد 9 شمارہ نمبر 35-36 اکتوبر تا دسمبر 2004ء

۳۔ ماہنا چہار سوراولپنڈی، شمارہ نمبر 17، صفحہ نمبر 6، جنوری، فروری 2008ء

۴۔ ندیم احمد، ڈاکٹر، ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اُردو بازار دہلی،

۵۔ نثار احمد ڈار، تجریدیت اور اُردو افسانہ، مشمولہ اُردو ریسرچ جرنل۔

۶۔ افسانہ ترلوچن، مجموعہ برج خموشاں

۷۔ ایضاً

۸۔ تیسرے پہر کی کہانیاں۔ القا پبلیکیشنز لاہور۔ 2015ء

۹۔ ایضا

۱۰۔ مولوی فیروزالدین "فیروزاللغات، اردو جامع
۱۱۔ انور جمال، پروفیسر، ادبی اصطلاحات، نیشنل بک فاونڈیشن، اسلام آباد، 2012ء
۱۲۔ افسانہ شہر کوفے کا ایک آدمی، برج خموشاں،
۱۳۔ افسانہ چاکر برج خموشاں
۱۴۔ تیسرے پہر کی کہانیاں، القا پبلیکیشنز، لاہور 2015ء